۷۸۶

الجمعیۃ

پاکستان کیا ہے

سنہ ۱۳۶۵ھ

سنہ ۱۹۴۶ء

حصہ دوم

از خامہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب

مدنی مدظلہ العالی

صدر جمعیۃ علماء ہند و صدر کل ہند مسلم پارلیمنٹری بورڈ

ناشر

ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی

مطبوعہ

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

باز قم دیوبندی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

--- حصہ دوم ---

پاکستان کیا ہے؟

پاکستان کا مفہوم اور اُس کے حدود

پاکستان کے مفہوم کے متعلق اب تک مختلف تفصیلات آئی ہیں۔ اجلاس لاہور سنہ ۱۹۴۰ء میں جو قرارداد پاس ہوئی تھی اور جسے پاکستان کی بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے اُس کے الفاظ حسب ذیل تھے:-

مسلم لیگ کی یہ پختہ رائے ہے کہ کوئی دستورِ حکومت بغیر اس کے کہ وہ ذیل کے اصولوں پر مبنی ہو نہ قابل عمل ہو سکتا ہے اور نہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول:-

یہ کہ جغرافیائی حیثیت سے متصل وحدتوں کی ایسے علاقوں میں حد بندی کر دی جائے جو اس طرح بنائے جائیں اور ان میں ضرورت کے مطابق ایسی سرحدی تبدیلیاں کی جائیں کہ وہ رقبے جہاں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہو مثلاً ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقے ایک مستقل ریاست بن جائیں اور اس ریاست کے اجزاء ترکیبی اندرونی طور پر خودمختار اور مطلق العنان ہوں۔

۲۔ یہ کہ ان علاقوں اور منطقوں کے اجزاءِ ترکیبی میں اقلیتوں کے مذہبی ثقافتی، اقتصادی، سیاسی، انتظامی اور دوسرے حقوق و مفاد کے تحفظ کے لئے آئین میں معتدل اور مؤثر اور واجب التعمیل تحفظات درج کئے جائیں اور نیز ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی تعداد کم ہے مسلمانوں کے لئے اور نیز دوسری اقلیتوں کے لئے ایسی معقول مؤثر اور واجب التعمیل تحفظات معین طور پر دستور میں شامل کر دیئے جائیں جن سے ان کے مذہبی ثقافتی اقتصادی، سیاسی اور دوسرے حقوق و مفاد کی حفاظت ہو جائے۔

یہ اجلاس ورکنگ کمیٹی کو یہ اختیار دیتا ہے کہ دستور کی ایک اسکیم مرتب کرے جو ان بنیادی اصولوں پر مبنی ہو اور وہ اس قسم کی ہو کہ اس میں یہ گنجائش ہو کہ ان علاقوں کو اس قسم کے اختیارات مل جائیں جیسے دفاع، امور خارجہ، رسل رسائل، کروڑ گیری اور نیز ایسے ہی دوسرے امور جو ضروری ہوں۔ (اجلاس ۳۰ مئی ۱۹۴۲ء)

مذکورہ بالا رزولیوشن سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے لئے صوبوں کی پرانی حدود نہ ہوں گی بلکہ نئی حدود جو مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق ہوں مقرر کی جائیں گی۔ پنجاب اور بنگال اور آسام کے وہ اضلاع جن میں مسلمان غیر مسلموں سے اقلیت میں ہیں وہ خارج کر دیئے جائیں گے۔ نیز لیگ کی ورکنگ کمیٹی دستور کی کوئی مفصل اسکیم بنائے گی مگر آج تک ہمارے جاننے ورکنگ کمیٹی کی کوئی ایسی اسکیم نہیں آئی۔ شخصی آراء اور اسکیمیں بہت آئیں

جن میں آپس کے اختلافات کے علاوہ ان شروط کے مطابق عددی اکثریت بھی بسا اوقات نہیں پائی جاتی۔ مثلاً ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے مختلف تہذیبی اصول کو معیار تقسیم قرار دیا ہے جو کہ ان اصولوں سے علیحدہ ایک اصول ہے چنانچہ روزنامہ حقیقت لکھنؤ اپنی اشاعت مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۴۵ء جلد ۵ نمبر ۱۲۱ میں بعنوان "پاکستان یا چیستان" لکھتا ہے:۔

"کراچی میں مسٹر جناح نے ایک پریس کانفرنس کی جس میں ہندو مسلم اخبارات کے ایڈیٹر شریک تھے۔ اس کانفرنس میں ایک مسلمان اخبار نویس نے مسٹر جناح سے خواہش کی کہ وہ پاکستان کی تعریف کریں کہ یہ کیا چیز ہے اور اس کی کیا صورت ہوگی۔ مسٹر جناح نے جواب میں کہا کہ مجھے پاکستان کی وضاحت کرنے کے لئے کچھ وقت درکار ہے تاکہ میں اس کا پوری طرح مطالعہ کر سکوں لیکن ایڈیٹروں کی طرف سے مسلسل مطالبہ کیا گیا کہ وہ پاکستان سمجھائیں کہ وہ کیا چیز ہوگی جب مسٹر جناح سے اور کوئی جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے کہا کہ جو رسالے اور مضامین اب تک پاکستان کی تائید میں شائع ہو چکے ہیں ان کو پڑھ لو۔ ایک اور مسلمان اخبار نویس نے کہا کہ میں نے سب مضامین اور رسالے پاکستان کے متعلق پڑھے ہیں۔ لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا بلکہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ پاکستان کے معنے مسلمانوں کی خودکشی کے ہیں۔ یہ جواب سن کر مسٹر جناح ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اب وہ اس مسئلہ میں مزید گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔"

ایڈیٹر حقیقت کہتا ہے "لیجئے راہبر خود راستہ سے ناواقف ہے، وہ دوسروں کی رہبری کیا کریگا" اس مضمون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود مسٹر جناح کے ذہن میں ۵ ستمبر ۱۹۴۵ء تک کوئی مکمل حقیقت اور تحدید موجود نہ تھی۔

نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب جنرل سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ ۲۴ ستمبر ۱۹۴۵ء کو علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"مجھے ایک بار پھر پاکستان کی تشریح کر لینے دیجئے پاکستان سے مقصود یہ ہے کہ ان علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے آزاد اور خود مختار حکومتیں قائم کیجائیں۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ پاکستان کی حدود اربعہ کیا ہونگی۔ میں ایک بار پھر اس پلیٹ فارم پر اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی حدود اربعہ کی بنیاد وہی ہوگی جو ابھی صوبہ پنجاب، سرحد، بنگال، بلوچستان اور آسام کی حدود اربعہ ہیں۔"

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ نوابزادہ ان صوبوں کے قدیمی انگریزی حدود ہی اعتبار فرماتے ہیں اگرچہ ان میں ایسے متعدد منطقے ہیں جن میں مسلمان بہت تھوڑی اقلیت رکھتے ہیں جیسے صوبہ آسام کا مشرقی شمالی حصہ یعنی برہمپتر ویلی اور پہاڑی حصہ وغیرہ۔ یا پنجاب کے مشرقی اور بنگال کے مغربی منطقے۔ یا سکھوں کی اکثریت والے اضلاع پنجاب۔

حریت مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۸ کالم ۳ میں لکھتا ہے۔

"مسٹر جناح سے بار بار مطالبہ کیا گیا کہ وہ پاکستان کی تشریح کریں لیکن وہ نہ منہ سے بولتے تھے اور نہ سر سے کھیلتے تھے۔ لیکن جب ایک

امریکن نامہ نگار نے اُن سے انٹرویو کیا تو انہوں نے کہا کہ "پاکستان شمال مغربی سرحدی صوبہ، بلوچستان، سندھ، پنجاب اور بنگال جس میں بندرگاہِ کلکتہ اور اُس کے اردگرد کے صنعتی علاقے بھی شامل ہیں اور آسام کے صوبوں پر مشتمل ہوگا۔ پاکستان کا آئین سیاسی طور پر بالکل جمہوری ہوگا۔ بڑی بڑی صنعتیں اور عوام کو فائدہ پہنچانے والی سروسیں سوشلسٹ اصولوں پر قومی ہونگی۔ تمام صوبوں اور اُن سے متعلق تمام ریاستوں کو داخلی آزادی حاصل ہوگی۔ پاکستان دو بڑے حصوں یعنی شمال مغربی اور شمال مشرقی پر مشتمل ہوگا۔ لیکن وہ بحیثیت عمومی ایک ہی بلاک کہلائیگا۔ اس کے قدرتی ذرائع اور اُس کی آبادی تنی کافی ہوگی کہ اُسے دنیا کی ایک طاقت بنا سکے مجموعی آبادی تقریباً دس کروڑ ہوگی۔ کوئی وجہ نہیں کہ اُس کے قدرتی وسائل سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے یا اُسے دنیا کی بڑی طاقت نہ بنایا جائے۔ انگلستان کی آبادی ۴½ کروڑ سے زائد نہیں پھر بھی وہ دُنیا کا بہت بڑا ملک بن گیا ہے۔"

اُس سے پہلے ۱۰ اکتوبر ۴۵ء کو مسٹر جناح نے کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ فرمائے:-

"بہرحال ہمارا مطالبہ پاکستان بالکل واضح ہے یعنی وہ علاقے جہاں مسلمان عددی اکثریت رکھتے ہیں اُنہیں آزاد خود مختار ملکوں کی شکل میں مجتمع کر دیا جائے جن میں ہر واحدہ ترکیبی خود مختار اور

کامل الاقتدار ہوگا اور جن میں اقلیتوں کو اُن کی مذہبی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور انتظامی حقوق کے لئے مؤثر آئینی تحفظات دیئے جائیں گے ہمارا مطالبہ بالکل واضح ہے اور انصاف کے معیار پر پورا اُتریگا۔" (انجام ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء ج ۱۶ ص ۲۶۹)

(وحدت ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء ج ۱۷ ص ۲۱۳)

اس بیان میں صوبوں کی تعیین اور تفصیل ایسی نہیں ہے جیسی کہ ۱۰۔ نومبر کے بیان میں ہے مگر اس میں بھی یہ تفصیل نہیں ہے کہ ان صوبوں کی تحدید اسی نہج پر ہوگی جو کہ انگریزی گورنمنٹ نے رکھی ہے یا اس میں سے وہ منطقے جو کہ غیر مسلم اکثریت رکھنے والے ہیں خارج کئے جائیں گے یا نہیں البتہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کا وہ بیان جو کہ الہ آباد کے اجلاس میں ۱۹۳۰ء میں انہوں نے اپنے خطبہ میں دیا تھا وہ ان قطعوں کو صاف الفاظ میں مستثنےٰ فرماتے ہیں۔ مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

"اس تجویز کو نہرو کمیٹی کے سامنے بھی پیش کیا گیا ہے اُنہوں نے اسے اس بنا پر رد کر دیا کہ اس پر عمل کرنے سے ایک ناقابل انتظام سلطنت ظہور پذیر ہوگی۔ یہ صحیح ہے جہاں تک کہ رقبہ کا تعلق ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے ہندوستان کے بعض موجودہ صوبوں سے کمتر ہوگی لیکن اگر انبالہ ڈویژن اور بعض دیگر غیر اسلامی اضلاع کو الگ کر دیا جائے تو اس کی وسعت بھی کم ہو جائیگی اور مسلم آبادی کا عنصر اور بھی بڑھ جائیگا اور اس طرح غیر مسلم اقلیتوں کو مزید مؤثر سیاسی مراعات

دینے کا موقع بھی میسر ہوگا"۔
ان تمام اقوال میں کشمیر کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے مگر چودھری رحمت علی صاحب بانی پاکستان نیشنل موومنٹ ۱۹۳۳ء میں کشمیر کو بھی اس میں داخل فرماتے ہوئے پاکستان کی وجہ تسمیہ میں حرف کاف کو کشمیر ہی میں کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مسلم آبادی کی وہاں پر خصوصی اور غیر معمولی اکثریت اس کی مقتضی بھی ہے۔ اگرچہ لیگی حضرات اس سے ساکت یا مخالف معلوم ہوتے ہیں۔

بہرحال پاکستان کی حدود کی تعیین محتاج تنقیح ضرور ہے اقوال مختلف ہیں۔ کوئی قابل اطمینان صورت ابھی تک سامنے نہیں آئی ہے۔ اگر آبادی کی اکثریت کو ہی بنائے تقسیم قرار دیا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ غیر مسلم اکثریت والے اضلاع کو مجبور کیا جائے کہ وہ حق خود اختیاری اور حق انفصال سے روکے جائیں اور اپنی مرضی کے مطابق جس مرکز سے چاہیں تعلق نہ رکھیں اور اگر تحدیدات برطانیہ کو اس کا موجب قرار دیا جاتا ہے تو اس کی معقولیت میں یقیناً کلام ہے۔ بالخصوص لاہور والی تجویز کی روشنی میں۔

پاکستان کا طرز حکومت

پاکستان کے طرز حکومت کے متعلق بھی بہت سی چہ میگوئیاں کی گئی ہیں۔ عام مسلمانوں کو بہکانے کے لئے اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے صرف عام لیگیوں نے نہیں بلکہ خواص نے بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ جیسا موقعہ دیکھتے ہیں ویسا کہنے لگتے ہیں۔

(۱) نواب اسمٰعیل خاں صاحب میرٹھی ممبر آل انڈیا ورکنگ کمیٹی و معزز عہدہ دار اور صدر یوپی مسلم لیگ نے ۹۔ نومبر ۱۹۴۵ء کو الٰہ آباد میں علماء کرام و ربانیین سے دستگیری کی استدعا کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مسلم لیگ کا نصب العین پاکستان ہے اور لیگ اس پر تلی ہوئی ہے کہ اس سرزمین میں اسلام کی سیاسی...... بنیادوں پر شریعت مطہرہ کی حکومت قائم کر دے۔"

(منشور ۱۱ نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱)

(۲) میاں بشیر احمد صاحب ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ نے دسمبر ۱۹۴۲ء میں اعلان کیا کہ:۔

"پاکستانی طرز حکومت خلفاء راشدین کی حکومت کے مطابق ہوگا۔"

(مدینہ یکم جنوری ۱۹۴۳ء)

(۳) احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے حسب ذیل ارشاد فرمایا:۔

"اقلیت کے صوبہ والوں (مسلمانوں) پر جو گذرتی ہے گذر جانے دو۔ لیکن آؤ ہم اپنے ان بھائیوں کو آزاد کر دیں جو اکثریت کے صوبوں میں ہیں تاکہ وہ شریعت اسلامی کے مطابق وہاں آزاد حکومت قائم کر سکیں۔"

("پاکستان نمبر" ایمان" لاہور ۲۸ فروری ۱۹۴۱ء)

یہ بیانات نہایت ہی خوش کن اور امید افزا ہیں کاش یہ واقعیت کا کوئی درجہ رکھتے۔ مگر ہم جب لیگ کے ہائی کمانڈ کی زندگی اور اخلاق و عقائد کا معمولی درجہ پر بھی معاینہ کرتے ہیں تو بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اُن کا

ڈھونگ ہے جس کے وہ ہمیشہ سے عادی ہیں۔ خود مسٹر جناح کے اعلانات اور جنرل سکرٹری نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب اور ڈان (جو لیگ کا آرگن ہے) کی تحریریں اس کی صراحتہً تکذیب کرتی ہیں اور بتلاتی ہیں کہ کسی مخفی حقیقت یا پوشیدہ اغراض کی پردہ داری کے لئے ایسے اعلانات کئے جاتے ہیں۔ خود مسٹر جناح نے بمبئی کے ایک اجتماع میں فرمایا کہ:۔

"پاکستان کا دستور اساسی پاکستانی عوام مرتب کرینگے اور تمام اقلیتوں کو حکومت میں نمایندگی دی جائیگی"۔

(زمیندار لاہور مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء)

احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"پاکستان کی حکومت جمہوری ہوگی اور سارا نظم و نسق عوام کو نمائندوں کے ہاتھوں میں ہوگا" (انجام مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۴۵ء)

نمائندہ نیوز کرانیکل کو بیان دیتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا:۔

"پاکستان کی حکومت (یورپین) جمہوریت کے طریقہ پر ہوگی۔ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی آبادی اور مردم شماری کی حیثیت سے رائے شماری کر کے فیصلہ صادر کرینگے اور وزارتوں اور لیجسلیچر میں حصہ دار ہونگے"۔

(شہباز لاہور مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء بحوالہ ڈان)

میاں بشیر احمد صاحب ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ ۲۔ نومبر ۱۹۴۵ء کو لاہور کے جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"ہمارے قائد اعظم بار بار کہہ چکے ہیں کہ پاکستان میں بلا لحاظ مذہب

عوام کی حکومت ہوگی۔ پاکستان میں ہندوؤں اور سکھوں کو برابری اور آزادی دیجائیگی۔"

۸۔ نومبر ۱۹۴۵ء کو بمبئی میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو بیان دیتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا کہ:-

"پاکستان ایک جمہوری حکومت ہوگی اور مجھے امید ہے کہ پاکستان کی بڑی بڑی صنعتیں اور کارخانے سوشلسٹ اصول پر قوم کے قبضہ میں دیدیئے جائیں گے۔" (منشور ۱۱۔ نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۲)

(انجام ۱۲۔ نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۲)

علی گڑھ یونیورسٹی میں نوابزادہ لیاقت علی خان صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

ہم سے سوال کیا جاتا ہے کہ پاکستان کا دستورِ اساسی کیا ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پاکستان ایک جمہوری سٹیٹ ہوگا اور اس کے دستورِ اساسی کی تشکیل اُن علاقوں کے باشندگان بتوسط ایک منتخب کردہ مجلس دستورِ اساسی خود ہی کرینگے۔ یہ چیز اظہر من الشمس ہے۔"

(عصرِ جدید کلکتہ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۴۵ء بحوالہ ڈان ۲۵ ستمبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۱)

شہباز لاہور مورخہ ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء لکھتا ہے۔ کہ لیگ کا ذمہ دار سرکاری ترجمان ڈان لکھتا ہے کہ:-

"مسٹر جناح نے ہمیشہ کہا ہے کہ پاکستان کوئی دینی و مذہبی حکومت ہرگز نہ ہوگی بلکہ خالصاً ایک دنیوی حکومت ہوگی اور مسلمانوں کی

حکومتِ الٰہیہ کے نظریہ سے اُس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کو عالمگیر اسلامی قومیت (پین اسلام ازم) سے کوئی دور کا واسطہ بھی ہے اُن سے مسٹر جناح کو ہرگز اتفاق نہیں۔"

ڈان ۹۔ ستمبر ۱۹۴۵ء لکھتا ہے کہ:۔

"مسٹر جناح نے ہمیشہ پاکستان کو ایک دنیاوی اسٹیٹ قرار دیا ہے اور اس خیال کی ہمیشہ سختی سے مخالفت کی ہے کہ اس میں مسلمانوں کی حکومت الٰہیہ قائم ہوگی۔ جو لوگ پاکستان کو پان اسلام ازم (اتحاد اسلامی) کے مرادف قرار دیتے ہیں وہ اتحاد کے دشمن ہیں۔"

مدینہ بجنور مورخہ ۲۱۔ نومبر ۱۹۴۴ء جلد ۳۳ لکھتا ہے کہ اخبار "ایمان" نے مسلم لیگ کے ترجمان ڈان کے ایک مراسلہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "پاکستان میں مذہبی حکومت یا مسلم راج نہ ہوں گے کیونکہ مذہبی حکومت صرف وہاں قائم ہو سکتی ہے جہاں ایک ہی مذہب کے سو فیصدی لوگ ہوں یا اتنی فوجی طاقت ہو کہ وہ غیر مذہب والوں کو مجبور کر کے مطیع کر سکے۔"

پھر یہی بزرگ مذہبی حکومت کے مفاسد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر پاکستان میں مذہبی حکومت بنا دی گئی تو اس سے عوام کی ترقی رک جائیگی۔ طبقات کی تفریق کا سلسلہ جاری رہیگا۔ انسان کی اجتماعی اور اقتصادی نجات کی راہ بند ہو جائیگی۔ مذہبی حکومت کے پیشرو مسلمان ہونگے اور وہ قابل نہیں ہیں۔ ہندو صوبوں کے

مسلمانوں پر ظلم و ستم ہونے لگیں گے۔ اس سے ہندوستان میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھیگی"۔

مندرجۂ بالا شہادتوں اور اعلانات پر ناظرین غور فرمائیں اور اُن لوگوں کی ذہنیتوں پر ماتم کریں جو کہ اس خیال میں مست ہیں کہ پاکستان میں اسلامی راج یا شریعت کی حکومت یا خلفاء راشدین کی حکومت کا نمونہ ہوگا۔ یا مذہبی اقتدار اسلامی قائم ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ دستور اساسی جو کہ ۶۰ یا ۵۸ فیصدی مسلمان اور چالیس یا بیالیس فیصدی غیر مسلم مرتب کرینگے کیا وہ شرعی دستور ہوگا۔ شریعت مرتب نہیں کیجاتی وہ خداوندی قانون مرتب شدہ ہے اُس میں کسی کو ترمیم کرنے کا حق نہیں ہے۔ شرعی حکومت میں فقط تنفیذ اور اجراء ہوتا ہے۔ یہاں اس کا سوال ہی نہیں ہے۔

شرعی حکومت کو تو لیگ اور اُس کا ترجمان ڈان انتہائی درجہ کی ذلیل اور ناکارہ قرار دیتا ہے جن لوگوں کی یہ ذہنیت ہو اور جو مسلمانوں کو ناقابل جانتے ہوں وہ کیا مسلمانوں کے ہاتھ میں حکومت پاکستان عطا فرمائیں گے کیا وہ غیر مسلموں کے ہاتھ میں تمام اقتدار نہ سونپیں گے۔ یہی بات تھی کہ جس کی وجہ سے مسٹر جناح نے میثاق لکھنؤ میں (۱۹۱۶ء) میں اکثریت والے صوبوں بنگال اور پنجاب میں آبادی کے تناسب سے سیٹیں نہیں دینے دیں۔ پنجاب کو ۵۶ فیصدی سے ۵۰ فیصدی اور بنگال کو ۵۳ فیصدی سے ۴۰ فی صدی نشستیں دلوائیں اور جب ۱۹۲۰ء میں ریفارم اسکیم گورنمنٹ نے دینی چاہی اور بنگال کے متعلق آبادی سے اسقدر کم سیٹوں کا اعتراض اٹھایا تو

مسٹر جناح اور ان کے ہمنواؤں نے اعتراضات کر کے گورنمنٹ پر زور دیا کہ وہ اکثریت والے صوبوں میں میثاق ملی پر ہی عمل کرے۔ چنانچہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء کو دہلی کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اکثریت والے صوبوں کے مسلمان باشندے ناقابل ہیں ان کو انعام نہیں ملنا چاہیئے۔ صریح الفاظ حسب ذیل ہیں:-

میثاق لکھنؤ کس طرح وجود میں آیا پنجاب اور بنگال میں مسلمان اکثریت میں تھے۔ بنگال میں ۵۶ فیصدی تھے اور پنجاب میں ۵۴ فیصدی (نوٹ انڈین کوارٹرلی ۱۹۲۶ء میں یہی اعداد ہیں نہ معلوم مسٹر جناح بھولے یا مطبع نے غلطی کی) مسلمانوں کی عام پستی دیکھ کر یہ دلیل بیان کیجاتی تھی کہ اگر مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے حکومت میں حصہ دیا گیا تو ایسا ہی ہے جیسے کہ اس کو اس کی جہالت اور نااہلیت پر انعام دیا جائے .... جب پارلیمنٹ میں ریفارم بل پر بحث ہوئی تو گورنمنٹ آف انڈیا نے بنگال کی نشستوں کے بارہ میں میثاق لکھنؤ کی مخالفت میں ایک تحریر بھیجی کیونکہ اس میثاق کی رو سے بنگال کی ۵۶ فیصدی آبادی کو ۴۰ فی صدی نشستیں ملی تھیں لیکن ہندو اور مسلمان قابل تعریف طریقہ پر میثاق لکھنؤ پر اڑے رہے اور جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے بھی اسی میثاق کی تصدیق کر دی"

(دیکھو انڈین کوارٹرلی رجسٹر ۱۹۳۵ء جلد ۱ صفحہ ۶۸)

مسٹر جناح ۵ ستمبر ۱۹۳۱ء میں ایک ایٹ ہوم کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :- "حکومت ایسی چیز نہیں کہ ہر کس و ناکس کے سپرد کر دی جائے حکومت کو پہلے سے چند ضروری امور کے متعلق غور کر لینا چاہیئے۔ مثلاً انسان اتنے متمدن ہو جائیں اور اس محبت اور پیار سے رہنے سہنے لگیں کہ انتہائی مشکلات اور نہایت بُرے حالات کے وقت بھی درپیش مسائل کو خود حل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔"

(مدینہ بجنور ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۶۲ ص ۵)

الحاصل مسٹر جناح کے نزدیک اب بھی اکثریت والے صوبوں کے مسلمان نااہل ہیں اُن کو حکومت بالخصوص مذہبی حکومت نہیں دی جاسکتی اور غالباً اُن کے نزدیک یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ڈان کے دفتر میں غیر مسلموں ہی کی اکثریت ہے۔ چنانچہ ۵۔ جولائی ۱۹۴۳ء کے اخبار مدینہ نے شائع کیا ہے کہ ڈان کے تیرہ ملازمین میں سے صرف تین ملازم مسلمان ہیں باقی دس غیر مسلم ہیں۔ ڈان کے عملہ کا خرچ ماہوار تین ہزار دو سو نوے روپیہ ہے اس میں سے دو ہزار آٹھ سو بیس روپیہ غیر مسلموں پر خرچ ہوتا ہے۔

کیا یہ ذہنیت اور یہ عمل مسلمانوں کے لیے قابل عبرت اور قابل غور نہیں ہے، پھر اس خیال میں رہنا کہ مسٹر جناح اور لیگ کے زعما پاکستان میں اسلامی اور مذہبی حکومت قائم کریں گے ایک خیال باطل ہے۔ یہ حضرات تو اس کے انتہائی مخالف ہیں اور اگر ایسی حکومت قائم ہوتی بھی ہوگی تو جان توڑ کوشش کر کے اُس کو قائم نہ ہونے دیں گے۔ قاضی بل کے متعلق اسمبلی کی رپورٹ ملاحظہ کیجیے۔

پاکستان کی حکومت یورپین طریقہ پر ڈیموکریسی (جمہوری) حکومت ہوگی۔ جس میں پریسیڈنٹ کیبنٹ اور لیجسلیچر کا تابع محض ہوگا۔ بیشک وہ مسلم لیگی ہوسکتا ہے مگر صرف اُس وقت تک کہ جب لیگ پارٹی کے ممبر اکثریت میں ہوں اور ہاؤس کی اکثریت اُس کو منتخب کرے اور اگر کوئی مخلوط پارٹی اکثریت میں آگئی اور اُس نے غیر مسلم کو منتخب کردیا تو مسلمان پریسیڈنٹ بھی نہ ہوگا۔ بہرحال یہ حکومت خلفائے راشدین کے طرز کی حکومت تو درکنار خلفائے بنی امیہ یا بنی العباس کے طرز کی بھی حکومت نہ ہوگی بلکہ بادشاہانِ مغلیہ کی سی حکومت بھی نہ ہوگی اس کو اسلامی حکومت کہنا صرف اسی طرح ہوگا جس طرح کاغذ اور مٹی کے گھوڑے کو گھوڑا کہا جاتا ہے۔ آج بھی سر خضر حیات خاں اور سر ناظم الدین اور سر غلام حسین ہدایت اللہ اور سر سعد اللہ کی حکومتوں کو اسلامی حکومت کہہ سکتے ہیں چنانچہ نیوز کرانیکل لندن کے نمایندہ کے سامنے مسٹر جناح نے اسی قسم کے کلمات فخریہ ذکر کئے ہیں۔ اگر اسلامی حکومت کے یہی معنے ہیں تو اسقدر جد وجہد فضول اور بے معنے اور لاحاصل ہے بالخصوص اس طریقہ پر جو مسٹر جناح نے نیوز کرانیکل لندن کے نمائندہ کے سامنے بیان کیا ہے کہ پاکستان پر غیر معین زمانہ تک انگریزی فوجی اقتدار اور خارجہ پالیسی قائم رہنا ضروری ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس کے معنے تو ہندوستان کی دائمی غلامی کے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کو اسلامی حکومت سمجھنا اور کہنا محض دھوکا ہی دھوکا ہے۔

پاکستان کے محاسن اور دلائل

پاکستان کے محاسن اور ضرورت

کے متعلق بہت سے دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ جن میں سے عام معروف اور مشہور دلیل جو کہ روزمرہ پلیٹ فارم اور پریس میں عام طور پر بیان کی جاتی ہے ہندوؤں کے مظالم اور تنگدلیوں کی داستانیں ہیں جنکو سرکاری دفتروں کے ملازمین اور ان کے اعزہ و احباب آئے دن پیش کیا کرتے ہیں اور بیشتر حالات میں ان کی صحت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ مگر کیا پاکستان سے اس کا علاج ہوگا یا نہیں اور آیا اس کا اصلی سبب ہندو ہی ہے یا کوئی اور ہے۔ مندرجہ ذیل دفعات ملاحظہ ہوں۔

(الف) انگریزوں نے ہندوستانیوں میں نفاق ڈلوانے اور فرقہ وارانہ نفرت پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ ملازمتوں اور نوکریوں کو بنایا ہے جس پر ان کے نزدیک انگریزی حکومت کا آج تک مدار ہے۔

"۱۸۲۱ء میں کارنے ٹیکس کے نام سے کسی انگریز افسر نے ایشیاٹک جرنل میں ایک مضمون دیا تھا وہ لکھتا ہے کہ

"ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر شعبہ کو خواہ وہ خارجی تعلقات سے واسطہ رکھتا ہو یا عدالتی اور حربی نظم و نسق سے یہ اصول ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ تفرقہ ڈال دو اور حکمرانی کرو۔" (حکومت خود اختیاری ص۱۵۵)

اسی قسم کے بیانات لارڈ الفنسٹن گورنر بمبئی اور سر جان میلکم وغیرہ کے بھی ہیں۔ چنانچہ ان شعبہ ہائے حکومت اور دفتروں میں یہ طریقہ نہایت شد ومد سے جاری کیا گیا۔ حکومت خود اختیاری ص۱۵۶ میں ہے۔

"بہرحال ملک کے لوگوں کی ایک کثیر جماعت اونچی نوکریوں کی تلاش

میں حیران و سرگرداں پھرتی رہتی ہے اور جن لوگوں کو ملازمتیں مل جاتی ہیں وہ دفتروں میں پہنچ کر دوسرے فرقہ والوں کو تنگ کرتے ہیں۔ آگے بڑھنے میں مزاحمتیں پیدا کرتے ہیں جنکی تفصیلات میں اخبارات کے کالم پر ہوتے ہیں اور ان مضامین سے جو حمیت پیدا ہوتی ہے وہ تمام ملک میں پھیلکر مختلف فرقوں میں رنجشیں پیدا کرتی ہے اور انھیں ملک کے اہم امور میں متحد ہونے نہیں دیتی جس سے رجعت پسند جماعت کا منشا پورا ہوتا ہے اور ناظرین کو یہ معلوم ہو کر تعجب ہوگا کہ یہ تمام قضیئے ہندوستان کی ایک نہایت قلیل تعداد سے متعلق ہیں۔ کیونکہ ہر قسم کے ملازمت پیشہ لوگوں کی تعداد اس میں صرف ۰، ر فیصدی یعنی ایک فیصدی سے بھی کم ہے۔ اگر چہ اس زمانہ میں کچھ بڑھ کر ۱۳، ۰ تک پہنچ گئی ہے اور اگر ٹاؤن ایریاؤں کے ممبروں سے لیکر اسمبلی کے ممبروں تک کی تعداد کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو فیصدی ڈیڑھ یا دو سے زیادہ نہیں ہوتی، اس قدر قلیل التعداد لوگوں کے باہمی اختلافات کا اثر ہندوستان کے دوسرے نفع بخش پیشوں پر بھی پڑتا ہے جنمیں ملک کی آبادی کا زیادہ حصہ مصروف ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ملک کی عام ہوا مکدر ہونے کی ابتدا ملازمتوں اور دفاتر سے ہوئی جو تعلیم یافتہ خواندہ لوگوں کے ذریعہ ہر شعبۂ زندگی تک پہنچ گئی۔"

چونکہ انگریزی حکومت نے اپنے اقتدار حاصل کرنے کے وقت ہی سے ہندوستان کے باشندوں کے ذرائع آمدنی کو مثلاً صنعت و تجارت کو (جو کہ ہندوستان میں بہت بڑے پیمانہ پر تھیں) اور بڑی بڑی تنخواہ والی ملازمتوں کو ادنےٰ تا کثیر المنفعت

صنعتوں اور شعبوں کو اپنے قبضہ میں کر کے ہندوستانیوں پر ان کے دروازے بند کر دیئے (جیسا کہ مسٹر اینڈریو یول نے اسلنگٹن کمیشن کے سامنے شہادت دیتے ہوئے' اور دوسرے شہیر انگریزوں نے دوسرے موقعوں پر اس کا اقرار کیا ہے) لہٰذا مجبوراً ہندوستانی زراعت یا ملازمت کی طرف جھک گئے۔ پھر زراعت پر لگان اور مالگزاری کا اتنا بوجھ ڈال دیا گیا کہ حسب ضرورت نفع حاصل کر کے خاندانوں کی پرورش کرنا بھی مشکل ہو گیا اور سلسلۂ ملازمت میں وہ تمام عہدے جو بآسانی انگریز قبول کر سکتا تھا۔ صرف یورپ والوں کیلئے مخصوص کر دیئے گئے۔ لہٰذا یہ میدان بھی محدود سے محدود تر اور تنگ سے تنگ تر ہو گیا۔ صرف نیچے کے عہدے اور تھوڑی تنخواہ والی ملازمتیں ہندوستانیوں کے پلّہ پڑیں اور پھر نرخوں کی گرانی نے اُن تھوڑی تنخواہوں کو بھی ناکافی کر دیا۔ بہر حال اس تہ بہ تہ بدحالی نے بھوکے ہندوستانیوں کو باہمی آویزش، آپس کی رقابت حسد اور عداوت پر مجبور کر دیا۔ تمام اعلیٰ قابلیتیں اور بہترین اخلاق فاقہ مستی کی نظر ہو گئے۔ دانستہ یا نادانستہ کمزور اخلاق، پست ہمتی، بزدلی اور نہایت ذلیل کیرکٹر ان کا شیوہ ہو گیا، پردیسی آقاؤں کی خوشامد، چاپلوسی، دین و دنیا کی ہر ایک متاع کو ان کی خوشنودی پر قربان کر دینا، مصالح ملک و ملت کو ان کے قدموں پر بھینٹ چڑھا دینا، اُن کا چارۂ کار اور ان کی پریشانیوں کا ایک درمان بن گیا جس سے برطانوی سامراجی مفاد روز افزوں ترقی پذیر ہو گیا۔ ملک کی بربادی اور غلامی کی زنجیریں مضبوط ہو گئیں۔ افلاس اور قحط انتہا درجہ کو پہنچ گیا آپس کے نفاق نے وہ ترقی کی کہ اس کی نظیر ہندوستان میں کسی زمانہ میں نہیں ملتی۔

(ب) مسلمان اپنی حکومت کے زمانہ میں ذہنی، دماغی، عملی، اور سیاسی غرض ہر قسم کی قابلیت میں ہندوستان کی دوسری قوموں سے فائق تھے۔ حتیٰ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت میں بھی ان کی قابلیت سب سے فائق تسلیم کیجاتی تھی چنانچہ مسٹر ہنری ہیرنگٹن طامس جو کہ بنگال سروس کا پنشنر تھا اپنے رسالہ "بغاوت ہند" اور "ہماری آئندہ پالیسی" کے صفحہ ۱۳ تا ۱۷ میں حسب ذیل لکھتا ہے۔

"عموماً تعلیم اور ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے مسلمان ہندوؤں سے کہیں زیادہ فائق ہیں اور نسبتاً ہندو ان کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں۔ علاوہ اسکے مسلمانوں میں کارگذاری کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے جسکی وجہ سے سرکاری ملازمتیں زیادہ تر انھیں کو ملتی ہیں۔ اس طرح ان کو سرکاری کاموں اور ملکی مصالح سے واقفیت کا موقع ملا اور انکی رائے کو وقعت حاصل ہوگئی۔"

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر ایل ایل ڈی آئی سی ایس بنگال اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں کہتا ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ جب یہ ملک ہمارے قبضہ میں آیا تو مسلمان ہی سب سے اعلیٰ قوم تھی۔ وہ دل کی مضبوطی اور بازوؤں کی توانائی ہی میں برتر نہ تھے بلکہ سیاسیات اور حکمت عملی کے علم میں بھی سب سے افضل تھے۔ لیکن اسکے باوجود مسلمانوں پر حکومت کی ملازمتوں کا دروازہ بند ہے۔ غیر سرکاری ذرائع زندگی میں بھی انھیں کوئی نمایاں جگہ حاصل نہیں۔"

(ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین ص ۲۳)

صفحہ ۱۶۶ میں کہتا ہے

"ایک صدی قبل حکومت کے تمام ذمہ دار عہدوں پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ تھا ہندو محض شکریہ کے ساتھ ان چند ٹکڑوں کو قبول کر لیتے جو ان کے سابق فاتح اپنے دسترخوان سے ان کی طرف پھینک دیتے تھے اور انگریزوں کی حیثیت چند ایک گماشتوں اور کلرکوں کی تھی .... تمام نظام حکومت میں اس قوم کا تناسب جو آج سے ایک صدی پہلے ساری حکومت کی اجارہ دار تھی۔ کم ہوتے ہوتے ایک اور تئیس رہ گیا ہے اور وہ بھی ان گریڈڈ ملازمتوں میں ہے۔ جہاں تناسب کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ پریزیڈنسی شہر کے دفتر کی معمولی ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً معدوم ہو چکا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں ایک بہت بڑے محکمہ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہاں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مسلمانوں کی زبان پڑھ سکے۔ دراصل کلکتہ کے سرکاری دفتر میں مسلمان اب اس سے بڑھ کر امید بھی نہیں رکھ سکتے کہ قلی اور چپڑاسی، دواتوں میں سیاہی ڈالنے والا یا قلموں کو ٹھیک کرنے والا کے سوائے کوئی اور ملازمت حاصل کر سکیں۔ کیا ہندو جبلتہً مسلمانوں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں۔ کیا ہم صرف ایک ایسے غیر جانبدار ماحول کی تلاش میں تھے جس میں رہ کر مسلمانوں کو اس دوڑ میں پیچھے چھوڑ جائیں۔ کیا مسلمانوں کے پاس سرکاری ملازمتوں کے علاوہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے دوسرے ذرائع بکثرت موجود ہیں اسلئے وہ سرکاری ملازمتوں سے بے اعتنائی برتتے اور ہندوؤں کے لئے اس میدان کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔"

خلاصہ یہ کہ انگریزوں نے مسلمانوں کو تمام عہدوں سے آہستہ آہستہ نکالا اور یہی پالیسی ہر قسم کے شعبہائے حکومت میں جاری کی اور انگریزوں اور ہندوؤں کو مسند پر بٹھا کر تقریباً مسلمانوں کا نام و نشان عہدہ ہائے حکومت سے مٹا دیا۔ سر ولیم ہنٹر کہتا ہے

"مسلمان ۱۸۵۷ء تک سلطنت کی طرف سے دبائے گئے اور ان پر ہندوؤں کو غالب کیا گیا"

لارڈ ایلنبرا گورنر جنرل ہند نے اپنی ایک چٹھی ۱۸۴۳ء میں ڈیوک آف ولنگٹن کو لکھتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ لکھتا ہے۔

"میں اس عقیدہ سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کی قوم اصولاً ہماری دشمن ہے۔ اسلئے ہماری حقیقی پالیسی یہ ہے کہ ہم ہندوؤں کی رضا جوئی کرتے ہیں" (ان ہیپی انڈیا ص۳۹۴ حکومت خود اختیاری ص۳۵)

لارڈ میکالے کہتا ہے:۔

"کلائیو کسی مسلمان کو بنگال کے محکمہ انتظامی کا سردار بنانے کے بہت خلاف تھا" (روشن مستقبل صفحہ ۱۳۳)

انگریزوں کی مسلمانوں سے دشمنی کی یہ پالیسی ملازمتوں اور دیگر ذرائع آمدنی میں برابر جاری رہی۔ تاآنکہ وہ تقریباً فنا کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ڈبلیو ہنٹر کہتا ہے۔

"لیکن اب یہ حال ہے کہ سرکاری ملازمتوں سے کہیں زیادہ سختی کے ساتھ مسلمانوں پر قانون کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ بنگال میں ہر جسٹس کے ہائیکورٹ جوڈیشیری میں دو ہندو جج ہیں اور مسلمان ایک بھی نہیں ہے اس زمانہ میں انگلو انڈین اور ہندو اس بات کا گمان بھی نہیں کر سکتے کہ ہائی کورٹ کے جج بھی

اس قوم میں سے مقرر کئے جائینگے جو تمام عدالتی محکموں پر قابض تھی۔ پچھلی دفعہ جب میں نے ۱۸۶۹ء میں اعداد و شمار جمع کئے تھے تو ان کا تناسب حسب ذیل تھا۔

نام عہدہ	انگریز	ہندو	مسلمان
سرکاری وقانونی افسر	۳	۲	۰
ہائی کورٹ کے وہ ملازمین جو ایسے بڑے عہدیدار ہیں کہ ان کا نام شائع کیا جائے۔	۳۰	۷	۰
بیرسٹر		۳	۰

اسی طرح مصنف مذکور نے وکلا اور دوسرے ملازمین مسلمانوں کے ساتھ بے انصافی اور اُنکو معدوم و فنا کردینے کے اعمال دکھلائے ہیں جنکو دیکھ کر دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ صفحہ ۲۲۹ میں لکھتا ہے۔

مسلمانان بنگال کے پرائیویٹ خطوط اور اخباری مضامین سے زیادہ کوئی شے قابل رحم میری نظر سے نہیں گذری۔ کچھ مدت ہوئی کلکتہ کے ایک فارسی اخبار (دوربین) جولائی ۱۸۶۹ء نے لکھا تھا کہ آہستہ آہستہ مسلمانوں سے ہر قسم کی ملازمت خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی چھینی جارہی ہے اور دوسری قوموں کو دیجارہی ہے خصوصاً ہندوؤں کو۔ حکومت اپنی رعایا کو برابر سمجھنے پر مجبور ہے لیکن وقت ایسا آگیا ہے کہ وہ اپنے گزٹ میں اس بات کا خاص طور پر اعلان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو سرکاری نوکری نہیں دیجائیگی۔ ابھی ابھی سندربن کے کمشنر کے دفتر میں چند اسامیاں خالی ہوئی تھیں۔ اس افسر نے سرکاری گزٹ میں اشتہار دیتے ہوئے

صاف صاف لکھ دیا تھا کہ یہ ملازمتیں سوائے ہندوؤں کے اور کسی کو نہیں ملینگی۔"

•

پھر مصنف مذکور (ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر) نے مسلمانان اڑیسہ کی اُس درخواست کی نقل پیش کی ہے جو انھوں نے کمشنر کو لکھی تھی۔ مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"ہز مجسٹی ملکۂ معظمہ کی وفادار رعایا ہونے کی حیثیت سے ہم یقین رکھتے ہیں کہ سرکاری ملازمتوں میں ہمارا بھی مساویانہ حق ہے۔ مگر سچ پوچھئے تو اڑیسہ کے مسلمانوں کو روزمرہ تباہ کیا جا رہا ہے اور اُن کے سربلند ہونے کی کوئی امید نہیں۔ مسلمان اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اب بالکل نادار ہیں اور ہمارا کوئی بھی پرسان حال نہیں۔ اب ہماری حالت ماہی بے آب کی طرح ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کی اس ابتر حالت کو ہم جناب عالی کے حضور میں پیش کرنے کی جراٴت کرتے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ جناب عالی ہی اڑیسہ کے ڈویژن میں ہز مجسٹی ملکۂ معظمہ کے واحد نمائندہ ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ نسل و رنگ کے امتیاز سے بالا ہو کر ہر قوم کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائیگا اپنی سابقہ سرکاری ملازمتوں کے چھن جانے سے ہم اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ بصمیم قلب سے دنیا کے دور دراز گوشوں کا رخ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر چڑھنے کیلئے مستعد ہیں۔ ہم سائبیریا کے بے آب و گیاہ صحرا میں مارے مارے پھرنے کیلئے آمادہ ہیں۔ بشرطیکہ ہمیں یقین دلا دیا جائے کہ ایسا کرنے سے ہمیں دس شلنگ (۵ روپیہ) ہفتہ کی ملازمت سے سرفراز فرمایا جائیگا۔"

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر مصنف مذکور الصدر اسکے بعد کہتا ہے کہ:۔

"آخر اسکی وجہ کیا ہے کہ مسلمانوں پر اس طرح سرکاری ملازمتوں اور تسلیم شدہ پیشوں کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ بنگال کے مسلمانوں میں ذہانت کی کمی نہیں اور غربت کی خلش ان کو اس بات پر ہر وقت اکساتی رہتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کریں۔"

صفحہ ۲۳۶ میں لکھتا ہے۔

"انگریزوں کے ہندوستان پر قابض ہونے سے پہلے وہ ملک کی سیاسی ہی نہیں بلکہ دماغی قوت بھی تسلیم کئے جاتے تھے ہمارے ہندوستانی مدبر کے الفاظ میں جو ان سے بخوبی واقف تھا کہ ان کا تعلیمی نظام اگرچہ اُس نظام تعلیم کے مقابلہ میں کم درجہ پر ہے جسے ہم نے رائج کیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس کو حقارت کی نظر سے دیکھنا غلطی ہے کیونکہ وہ بجا سے اعلیٰ دماغی تعلیم و تربیت کا اہل تھا اسکی بنیادیں بالکل ہی ناقص اصولوں پر نہ تھیں گو اُن کے پڑھانے کا طریقہ بہت پرانا تھا۔ لیکن یقینی طور پر وہ ہر اس طریقہ سے برتر تھا جو اس وقت ہندوستان میں رائج تھا۔ مسلمان اس طریقہ تعلیم سے اعلیٰ قابلیت اور دنیاوی برتری حاصل کرتے تھے۔ اور صرف یہی ایک واسطہ تھا جسکے ذریعہ ہندو اپنے ملک کی حکومت میں کم سے کم حصہ لینے کی صلاحیت پیدا کر سکتے تھے (مسٹر اے سی بی کلے سی ایس آئی) ہم اپنے دور حکومت کے پچھلے پچھتر سالوں میں انتظام ملک کی خاطر اسی طریقہ تعلیم سے متواتر فائدہ اٹھاتے رہے گو اس دوران میں ہم نے اپنا طریقہ تعلیم بھی رائج کرنا شروع کر دیا تھا پھر بھی

ایک نسل اس نئے طریقے کے ماتحت پیدا ہو گئی ہم نے مسلمانوں کے پرانے طریقہ کو خیر باد کہہ دیا جس سے مسلمان نوجوانوں پر ہر قسم کی سرکاری زندگی کا دروازہ بند ہو گیا۔"

صفحہ ۲۰۲ پر لکھتا ہے کہ:۔

"لیکن اس میں شک نہیں کہ بڑے افسروں سے لیکر چھوٹے افسروں تک موجودہ وائسرائے سے زیادہ کسی نے بھی مسلمانوں کے ساتھ نا انصافیوں پر زیادہ غور نہیں کیا۔ ہر شخص کو یقین ہو گیا ہے کہ ہم نے ملک کی مسلمان رعایا کے حقوق پورے نہیں کئے اور ہندوستان کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ جس کی تعداد تین کروڑ کے لگ بھگ ہے اپنے آپکو برطانوی حکومت کے ماتحت تباہ و برباد دیکھ رہا ہے۔ اسکو شکایت ہے کہ جو لوگ کل تک اس ملک کے فاتح اور حکمران تھے۔ آج نان جویں کے روکھے سوکھے ٹکڑوں کو بھی ترس رہے ہیں اسکے جواب میں یہ کہنا کہ یہ سب کچھ نتیجہ ہے انکے اپنے انحطاط کا عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہوگا۔ کیونکہ ان کا انحطاط بھی تو ہماری ہی سیاسی غفلت اور لاپرواہی سے مترتب ہوا جبتک اس ملک کی عنان حکومت ہمارے ہاتھ نہیں آئی تھی تب بھی مسلمانوں کا یہی مذہب تھا۔ وہ ایسا ہی کھانا کھاتے اور جملہ ضروریات زندگی میں ویسا ہی طرز بود و ماند رکھتے تھے جیسا کہ اس زمانہ میں۔ وہ اب بھی وقتاً فوقتاً اپنے احساس قومیت اور جنگی اولوالعزمیوں کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ بالآخر یہ وہ قوم ہے جسے برطانوی حکومت کی ماتحت تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔"

صفحہ ۲۰۴ پر لکھتا ہے :-

"انھیں یہ رنج نہیں کہ حکومت کی نوازشوں سے حسب دستور سابق انھیں کوئی حصہ نہیں ملتا بلکہ یہ کہ وہ اس سے بتدریج خارج کئے جا رہے ہیں وہ اس بات کا گلہ نہیں کرتے کہ اب زندگی کی دوڑ میں انھیں ہندوؤں کا مقابلہ درپیش ہے ۔ انھیں گلہ ہے تو یہ کہ اور کہیں نہیں تو کم از کم بنگال میں عرصۂ حیات تنگ ہو چکا ہے ۔ مختصراً یوں کہئے کہ یہ وہ قوم ہے جس کی روایات بہت شاندار ہیں مگر جس کا اسکے باوجود کوئی مستقبل نہیں ۔ اگر اس قوم کی تعداد تین کروڑ ہے تو یہ محض اس قوم کے لئے ہی نہیں بلکہ اس کے حاکموں کے لئے بھی ایک بہت ہی اہم سوال ہے "

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر موصوف جنوبی بنگال کے مسلمانوں کے اعلیٰ خاندانوں کی تخریب بربادی اور افلاس میں انگریزوں کے مبتلا کر دینے کے مفصل احوال لکھ کر صفحہ ۲۰۴ پر مندرجہ ذیل عبارت لکھتا ہے ۔

"میں نے بنگال کے مسلمان نوابوں اور کاشتکاروں کے حالات فی الواقع وضاحت سے بیان کئے ہیں ۔ تاکہ انگریزوں کے سامنے اُن لوگوں کا نقشہ کھینچ دوں جنکی شکایات کا بیان اس باب میں کیا جائیگا ۔ میں یہ بتاؤں کہ میرے بیانات کا تعلق جنوبی بنگال سے ہے ۔ کیونکہ یہ وہ صوبہ ہے جسے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور جہاں تک مجھے علم ہے مسلمانوں نے برطانوی حکومت کے ماتحت سب سے زیادہ یہیں نقصان اُٹھایا ہے پھر اگر میں دوسروں کو یہ یقین دلادوں اور خود میرا بھی خیال ہو کہ یہ بیانات تمام مسلمانان ہند پر راست آتے ہیں تو مجھے

اس پر معاف فرمایا جائے "۔
صفحہ ۱۴۱ میں لکھتا ہے :۔
"آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے بنگال کے خاندانی مسلمانوں کے لئے ناممکن تھا کہ وہ غریب ہوں لیکن آج کل یہ ناممکن ہے کہ وہ بدستور امیر رہیں۔"!

الغرض برطانوی پالیسی ہمیشہ سے اسلام دشمنی اور مسلمانوں کو ہر طرح کمزور اور نادار بنانے کی رہی ہے اور بالخصوص ملازمتوں اور دفتروں سے ان کو ہر طرح نکالا گیا ہے۔ ابتداء میں وہ ہر صیغہ ملازمت میں اور ہر دفتر میں چھائے ہوئے تھے مگر اس مسلم کش پالیسی کی بنا پر انگریزی فوجی، مالی، قانونی، تعلیمی، اور دیگر جملہ صیغوں سے آہستہ آہستہ نکالا گیا۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۸۰۱ء تک تمام اعلیٰ عہدوں سے وہ تقریباً صفر رہ گئے اور ادنیٰ عہدوں میں بھی برائے نام اُن کا وجود رہا۔ اُس کے بعد صرف زبانی جمع خرچ سے اُن کی اشک شوئی کی جانے لگی اور برائے نام کہیں کہیں کچھ عہدے دیئے گئے۔ مگر کیا فائدہ جبکہ مسلمانوں کو ہر طرح فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا اور دوسری اقوام ہندوؤں، عیسائیوں، اینگلو انڈین کو تقریباً ایک صدی تک ابھارا جا چکا۔ وہ زمینیں جو تعلیم کے لئے وقف تھیں اور جن کی مقدار تمام صوبہ کی چوتھائی کے قریب تھی وہ سب ضبط کر لی گئیں۔ افسوس کے دروازے علانیہ طور پر اعلانات کے ذریعہ سے بند ہو گئے بیکاری اور غربت وافلاس کی وجہ سے استعدادیں فنا ہو گئیں۔ غرض جبکہ مسلمان ہر طرح پس چکے تو زبانی جمع خرچ یا بالفرض واقعی ہمدردی سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے ان معاملات پر پوری طرح ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے اپنی کتاب ہمارے ہندوستانی مسلمان کے باب چہارم صفحہ ۲۰۳ سے ۲۹۴ تک روشنی ڈالی ہے۔ بخوف طوالت ہم بادہ

نہیں نکلتے۔ یہی معاملہ پنجاب اور دوسرے صوبوں میں جاری کیا گیا (دیکھو روشن مستقبل فصل چہارم سرکاری تعلیم اور ملازمت میں مسلمانوں کی پسماندگی ص۱۲۳ اڈیشن ۴)

ہم نے اس باب میں قدرے تفصیل اس وجہ سے کی ہے کہ عموماً مسلمان طلباء ذہنوں کے جھگڑوں اور حق تلفیوں وغیرہ کا ہندوؤں ہی کا قصور اور ان کی تنگدلی اور تعصب قرار دیتے ہیں اور حقیقت الامر کی طرف آنکھ نہیں اٹھاتے۔ حالانکہ پہلے بھی اور آج بھی یہ سب انگریزوں اور ان کی ملعون پالیسی کا کیا ہوا ہے۔ حقیقت میں وہی مسلمانوں کے ہر طرح برباد کرنیوالے ہیں اور ہر شعبۂ زندگی میں ہندوؤں کو مسلمانوں پر تفوق دینے اور ان سے مسلمانوں کو کچلوانے والے ہیں۔ انہیں دفاتر میں انگلو انڈین اور ہندوستانی عیسائی بھی ہیں مگر ان کو کوئی ہندو ملازم خواہ کتنا ہی بڑا عہدہ کیوں نہ رکھتا ہو کسی طرح تنگ نہیں کرسکتا۔ اور نہ پیچھے ہٹا سکتا ہے۔ اس سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ موجودہ کشمکش اور آزار دہ واقعات میں برادران وطن کی تنگدلیوں اور ان کے متعصبانہ منحوس جذبات کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یقیناً ہے۔ مگر وہ اس میں بمنزلہ آلات اور ہتھیار ہیں حقیقت میں قصور ارباب عقل کے ہاں تلوار چلانے والے کا ہے تلوار کا نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی حق تلفیاں پاکستان سے دور نہیں ہو سکتیں۔ ہر وہ حلقہ ہائے پاکستان میں غیر مسلم اقلیت اس قدر موثر اور قوی ہے کہ وہ اپنا فطری اور انسانی حق ہی نہیں بلکہ اس سے بدرجہا زائد حاصل کر سکیگی جیسا کہ بنگال میں مشاہدہ ہے کہ یوروپین گروپ اور اینگلو انڈینس اور عیسائیوں نے اپنے حق سے بیسیوں گنا سے زاید حاصل کر رکھا ہے اور اکتیس سے زائد سیٹیں حاصل کر رکھی ہیں۔ حالانکہ آبادی میں وہ ایک فیصدی بھی نہیں ہیں۔ پنجاب میں سکھ

آبادی کی حیثیت سے ۱۱ فیصدی ہیں مگر حق رائے دہندگی ۲۴ فیصدی اور نشستیں ۳۰ فیصدی ہیں جو کہ باعتبار اوسط ہندوؤں سے بدرجہا زیادہ ہے۔ ہندوؤں کی آبادی ۳۳ فیصدی ہے۔ مگر حق رائے دہندگی ۳۲ اور نشستیں ۳۰ فیصدی رکھتے ہیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں میں باعتبار آبادی اور رائے دہی ۱۳۱ کے مستحق تھے مگر اُن کو ۱۰۶ حاصل ہوا۔

بہرحال پاکستان قائم ہو جانے کے بعد وہ اپنی موفرہ اور زور دار حالت کی بنا پر اپنی آبادی سے زیادہ سیٹیں لیجسلیچر میں، ملازمتوں میں اور دیگر محکموں میں ضرور حاصل کریں گے اور اگر بالفرض یہ چیزیں تناسب آبادی کی ہی حیثیت سے دی گئیں تو موجودہ احوال سے صرف پانچ یا چھ فیصدی کی زیادتی ہوگی مگر اُن کے برعکس اقلیت والے صوبوں کو انتہائی تکالیف کا سامنا ہو جائیگا۔ ان کا وزن جاتا رہیگا۔ ان کو جو جو چیزیں تناسب آبادی سے زیادہ ملی ہوئی ہیں وہ سب چھن جائینگی۔ اُن کی اقلیت اس قدر کمزور اور قلیل التعداد ہے کہ کسی چیز کو منوانے کی طاقت نہ رکھیگی اور نہ کچھ حاصل کریگی۔

(ج) مسٹر جناح اور زعماء لیگ پاکستان میں مسلمانوں کو اعلیٰ عہدے اور بالائی اختیارات ہرگز نہ دینگے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ مسلمان نااہل ہیں حکومت نااہلوں کو ہرگز نہ ملنی چاہئے۔ ڈان کہتا ہے۔ "مذہبی حکومت کے بیشتر مسلمان ہونگے اور وہ قابل نہیں ہیں" (مدینہ ۱۷ نومبر ۱۹۴۶ء بحوالہ ایمان)

۵ ستمبر ۱۹۴۶ء کو ایک ایٹ ہوم کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا۔

"حکومت ایسی چیز نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس کے سپرد کر دی جائے۔ حکومت کو پہلے سے چند ضروری امور کے متعلق غور کر لینا چاہیے۔ مثلاً انسان اتنے متمدن ہو جائیں اور اس محبت اور پیار سے رہنے سہنے لگیں کہ انتہائی مشکلات اور نہایت برے حالات میں کے وقت بھی درپیش مسائل کو خود حل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں"۔ (مدینہ بجنور ۲۹ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ ص ۶)

اور اسی بنا پر انھوں نے اکثریت والے صوبوں کو ۱۹۱۶ء میں آبادی کے تناسب سے سیٹیں نہیں دیں بلکہ دونوں صوبوں میں سیٹیں گھٹا دیں اور ۱۹۳۰ء میں جب کہ گورنمنٹ نے حسب آبادی سیٹیں دینی چاہیں تو پرزور طریقہ پر گورنمنٹ سے اسی کو منوایا۔ چنانچہ مسٹر جناح ۱۹۲۵ء میں دہلی میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میثاق لکھنؤ کس طرح وجود میں آیا۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمان اکثریت میں تھے۔ بنگال میں ۵۶ فیصدی تھے اور پنجاب میں ۵۴ فیصدی مسلمانوں کی عام پستی دیکھ کر یہ دلیل بیان کی جاتی تھی کہ اگر مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے حکومت میں حصہ دیا گیا۔ تو ایسا ہی ہے جیسے کہ اُس کو اُسکی جہالت اور نااہلیت پر انعام دیا جائے"۔

پھر فرماتے ہیں کہ "جب یہ طے ہو گیا کہ نااہلیت پر انعام نہ دیا جائے تو اس پر معاملہ طے ہو گیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کو ۵۰ فیصدی اور بنگال کے مسلمانوں کو ۴۰ فیصدی نشستیں دی جائیں۔ جب پارلیمنٹ میں ایکٹ عمل پر بحث ہوئی تو گورنمنٹ آف انڈیا نے بنگال کی نشستوں کے بارے میں

میثاق لکھنؤ کی مخالفت میں ایک تحریر بھی۔ کیونکہ اس میثاق کی رو سے بنگال کی ۵۶ فیصدی آبادی کو صرف ۴۰ نشستیں ملی تھیں۔ لیکن ہندو اور مسلمان قابل تعریف طریقہ پر میثاق لکھنؤ پر اڑے رہے اور جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔"

(انڈین کوارٹرلی اسٹڈیز دسمبر ۱۹۲۵ء جلد ا ص۳۶)

جو خیال زعماء لیگ کا پہلے سے مسلمانوں کے متعلق تھا۔ آج بھی اُن کا یہی عمل اور خیال ہے۔ ڈان اخبار کے عملہ کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیل ملاحظہ کیجئے

ڈان کا پاکستان

نام	عہدہ	مذہب	مشاہرہ
جوزف پوتھن	چیف ایڈیٹر	عیسائی	الاؤنس [illegible]
پی ابراہیم	اسسٹنٹ ایڈیٹر	"	معاوضہ [illegible]
مسٹر شرما	نیوز ایڈیٹر	ہندو	ماہوار [illegible]
مسٹر راؤ	سب ایڈیٹر	"	ماہوار [illegible]
مسٹر سلہری	"	قادیانی	ماہوار [illegible]
مسٹر بیگ	"	مسلمان	ماہوار [illegible]
مسٹر واسو	کارٹونسٹ	ہندو	ماہوار [illegible]
مسٹر جونز	سب ایڈیٹر	یہودی	ماہوار [illegible]
مسٹر شکلا	پی اے ایڈیٹر	ہندو	[illegible]
مسٹر نیلکنٹھ	ٹائپسٹ	"	[illegible]

مسٹر دوگل	نائب مہتمم اشتہارات	ہندو	۱۰/
مسٹر ضیاء	کلرک	مسلمان	محہ
مسٹر محمود	جنرل منیجر	"	سما

صیغۂ اشتہارات کے جنرل منیجر محمد حسین زماں چونکہ مسلمان تھے۔ اسلئے ان کو علاحدگی پر مجبور کیا گیا۔ ماہواری خرچ عــــہ ہے۔ اس میں سے مسلمانوں کو عــــہ دیا جاتا ہے تیرہ ملازمین سے تین مسلمان ہیں۔ باقی غیر مسلم ہیں۔ ان کو عــــہ دیا جاتا ہے۔"

(مدینہ بجنور مورخہ ۵ جولائی ۱۹۴۳ء)

اسی طرح لیگی وزارتوں نے سرحد، سندھ، آسام، بنگال وغیرہ میں بڑے بڑے ذمہ داری کے کام ہندوؤں بالخصوص مہاسبھائیوں کے سپرد کئے۔ مندرجہ ذیل بیان ملاحظہ فرمائیے جو کہ "سرحد کی لیگی وزارت" کے عنوان سے مدینہ بجنور ۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء، جلد ۳۴ میں شائع ہوا ہے۔

"پشاور ۴ اکتوبر۔ آغا مظفر شاہ نے ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ سابقہ پاکستانی وزارت کی فضیلت یہ ہے کہ اسکے عہد حکومت میں کپڑے کا ٹھیکہ رائے بہادر چارام کو دیا گیا۔ پشاور کے کپڑے کا ٹھیکہ بابو ہشم چند کھنہ کے حصہ میں آیا۔ گیہوں کا ٹھیکہ رائے صاحب اجر راج لال کو ملا۔ چاولوں کا ٹھیکہ رائے صاحب امرناتھ مہرہ کو ملا۔ اسی طرح لکڑی کی سپلائی بھی انہیں رائے صاحب کو اور چینی کا تمام معاملہ دھرم سنگھ رام سنگھ کے سپرد کیا گیا۔ ہندو دشمنی کے اعلان کے ساتھ ہندو پروری کی وجہ یہی کہ وہ اندرونی نفع جو مطلوب تھا کسی مسلمان کو حاصل نہ ہو سکتا تھا"

مدینہ بجنور لیگ کے مشہور اخبار "خلافت" بمبئی کے ایک نوٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"معاصر خلافت بھی لیگ کے سرگرم حامیوں میں سے ہے۔ اسلئے اپنی سابقہ اشاعت میں مسلم لیگ سے سخت شکایت کی ہے کہ وہ ہندو مہاسبھا جیسی مسلم کش اور معاند جماعت کے ساتھ تعاون کر رہی ہے معاصر مذکور رقمطراز ہے۔"

"ہمیں اس بات پر ہمیشہ تعجب ہوا ہے کہ مسلم وزارتوں کے معاملہ میں مہاسبھائیوں کے

ساتھ تعاون کیوں کر رہی ہے۔ جبکہ یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے کہ مہا سبھائی
مسلمانوں کے بدترین قسم کے دشمن ہیں اور ان سے مسلمانوں کے لئے نقصان کے سوا کوئی
فائدہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وزارت سازی میں مسلم لیگ ان کے ساتھ تعاون کر کے اپنی آستین
میں سانپ پال رہی ہے جو نہ معلوم کس وقت کاٹ لے۔ اسی طرح مسلم لیگ مہا سبھا
کے اثر کو بھی بڑھا رہی ہے اور یہ صورت حال مسلمانوں کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔ مسلم لیگ کا
فرض ہے کہ وہ مہا سبھائیوں کے ساتھ جن کا راستہ ہمارے راستہ کے بالکل الٹا جاتا ہو
کسی قیمت پر بھی تعاون نہ کرے۔ وزارتوں سے مسلم صوبوں اور مسلم سیاست کو تھوڑا سا فائدہ
اور معمولی طاقت ضرور حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ فائدہ اور طاقت اتنی اہمیت نہیں رکھتی
کہ اسکی وجہ سے دشمنوں کے ساتھ تعاون کیا جائے اور ان لوگوں کی امداد حاصل کی جائے
جن کے اصول سے ہمارے اصول اسی طرح مختلف ہیں جس طرح دن سے رات۔ مسلم لیگ
کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ ہم اس حقیقت کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتے کہ وزارتیں
ہرگز اسقدر ضروری اور مفید چیز نہیں کہ ان کی وجہ سے مسلم مفاد کو ذرا سی بھی ٹھیس لگائی جائے
حکومت سے اگر کوئی یہ توقع رکھے کہ وہ اس وجہ سے کہ ہم نے اس کے آڑے وقت میں
وزارتیں بنا کر اسکا کام ہلکا کیا تھا ہمارے ساتھ کوئی رعایت کرے گی تو یہ بھی ریت سے تیل نکالنے اور ریگستان
میں کنواں کھودنے کے مرادف ہوگا۔"

سطور بالا میں خلافت نے شکوہ اور فہمائش کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ سر تا سر
نیک نیتی اور خوش عقیدگی پر مبنی ہے۔ وہ پوری دردمندی اور اخلاص کے ساتھ موجودہ
روش بد کے نتائج بد کی طرف اشارے کر کے قائدین لیگ کو متنبہ کر رہا ہے لیکن حقیقت
یہ ہے کہ اس دردمندی کے مظاہرہ کے ساتھ حیرت و استعجاب کا جو اظہار کیا گیا ہے
اس میں لیگ کے قائدین کے عمل و اعتقاد کی تکذیب و تغلیط کے ساتھ لیگ کے نئے انداز
کی قیادت کی مذمت کے پہلو بھی پوری طرح نمایاں ہو گئے ہیں اور زبان و قلم نے عام لیگی
مسلمانوں کے قلب کی بے ساختہ ترجمانی کر کے لیگ کے چہرہ کے خد و خال کو بڑی حد
تک عریاں کر دیا ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ کیا مسلم لیگ کے قائدین کرام اس
حسن ظن کے مستحق ہیں جو خلافت نے قائم کر رکھا ہے یا نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ باور کرے

کہ ہندو مہا سبھا ملک کی سیاسی جماعتوں میں قابلِ وقعت جماعت ہے اور اُس کا نصب العین و نظامِ عمل مسلمانوں کے ساتھ عناد و نفرت پر مبنی نہیں ہے تو بلا شبہ لیگ کے رہنماؤں کے متعلق بھی حسنِ ظن سے کام لیا جا سکتا ہے اور لیگ مہا سبھا کے حیرت زا" اشتراکِ عمل کی کوئی نہ کوئی تاویل کی جا سکتی ہے۔ لیکن بحالاتِ موجودہ جبکہ حقیقت بالکل عالم آشکارا ہے کہ لیگ اور مہا سبھا دونوں میں مقاصد کے لحاظ سے بُعد المشرقین ہے اور مہا سبھا کا وظیفۂ حیات صرف یہ ہے کہ وہ ملک کے گوشہ گوشہ میں ہندو مسلم منافرت کی آگ مشتعل کرتی رہے تو لیگ کے صدر اور مہا سبھا کے پردھان کے اپنے "گٹھ جوڑ" کو جیسا آج کل نظر آ رہا ہے کوئی باشعور انسان شبہ سے بالاتر نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت صاف نظر آ سکتی ہے کہ دونوں جماعتیں متضاد دعووں کے باوجود اجنبی اقتدار کے سامنے ہم سجدہ ریز اسی لئے نظر آتی ہیں کہ ان کا باطن ایک ہے اور یہ تمام ہنگامہ و شور اور اختلاف و عناد کسی تیسری پارٹی کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ہے۔ کیا "خلافت" "عالم حیرت" سے "عالم ہوش" میں آنے کی جرأت کر سکتا ہے؟"

(مدینہ بجنور ۲۱ جولائی سنہ ۱۹۴۳ء جلد ۳۲ نمبر ۵۳ صفحہ ۳)

اس موقعہ پر مدینہ مورخہ یکم اپریل سنہ ۴۳ء جلد ۲۹ نمبر ۲۳ صفحہ ۳ کی مندرجہ ذیل اطلاع بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔

سندھ کے ہندوؤں نے مسلم لیگ سے ۲۱ مطالبے کئے تھے جسکو لیگ نے منظور کیا اور نتیجہ کے طور پر مسلم لیگ کی وزارت وجود میں آئی۔ ہم ذیل میں چار مطالبے درج کرتے ہیں:-

(الف) (مطالبہ نمبر ۲) مفصلات میں زائد پولیس کافی تعداد میں رکھی جائے چونکہ محکمہ پولیس میں ہندو کم ہیں۔ اس لئے ایسا انتظام کیا جائے کہ اس محکمہ میں ان کی اقلیت کی نمائندگی چالیس فیصدی ہو۔

(ب) (مطالبہ نمبر ۱۳) اقلیت کے فرقوں کے جو افسر ڈسٹرکٹ پولیس اور دیہات کے محکمہ میں ہیں۔ انہیں مفصلات میں کثیر تعداد میں مقرر کیا جائے' اور

چالیس فیصدی جگہیں انکے قبضہ میں ہوں۔ ضروری تبدیلیاں فوراً کی جائیں
(ج) (مطالبہ نمبر ۸) اقلیتوں کے تمام جائز مفاد کا تحفظ کیا جائے۔ پبلک
ملازمتوں میں اقلیتوں کی نمائندگی چالیس فیصدی ہو۔

(د) (مطالبہ نمبر ۱۰) لوکل جماعتوں، میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ میں
مشترکہ انتخاب جاری کیا جائے۔" (اخبار مدینہ مذکور الصدر)

مختصر یہ کہ ایک طرف اندرونی طور پر مختلف عناصر جو پوری طرح قوی اور منظم
دوسری جانب برطانیہ کے سامراجی اغراض کا خون خوار دیو۔ مزید براں تحریک
پاکستان کے ذریعے ذہنی اور فطری طور پر ہندو اور مسلمانوں کا دوامی نزاع
اور منافرت، یہ وہ تمام چیزیں ہیں جن کی موجودگی میں پاکستان کو ایک انصاف
پسند انسان کسی طرح بھی مفید نہیں سمجھ سکتا۔ سندھ اور بنگال میں وزارتوں کا
عدم استقلال ایک نمایاں دلیل ہے۔ گذشتہ دور میں ان صوبوں کی وزارتوں میں آئے
دن تبدیلیوں کا باعث کیا ہے۔

اس قسم کی وزارتوں کا نفرت انگیز پہلو یہ ہے کہ یہ ہندوؤں یا سرکاری
گورنروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنی رہیں گی۔ بنگال میں ہیبت ناک قحط، جس کی نظیر
دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ صوبہ سندھ میں حروں کا قتل عام، پنجاب میں
بے پناہ فوجی بھرتی اور خاکساروں پر گولیوں کی بارش لیگی وزارت کے مبارک
دور میں ہوئی، کیا انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے رہنے کا کوئی ثبوت اس سے
نمایاں اور بھی ہو سکتا ہے۔

ان انسانیت سوز، رسوائے عالم ہنگاموں کے وقت یہ وزارتیں مستعفی کیوں
نہیں ہو گئیں۔ مگر استعفا تو درکنار ایک طرف یہ خونچکاں واقعات ظہور پذیر
ہو رہے تھے اور دوسری جانب مسٹر جناح فخر و ناز کر رہے تھے کہ ہندوستان
کے پانچ صوبوں میں لیگ کی وزارتیں قائم ہیں ـــــ اور ان تمام درندگیوں کو دیکھتے
ہوئے یہ جاہ پسند انسان وزارت کے پامال ٹاٹ کا پیوند بنے ہوئے تھے۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

حضرت مدظلہ العالی نے اپنے تمام مشاغل اور روز و شب کے اور دوروں
طویل سلسلہ میں ۲۶ر دسمبر ۴۸ء کے ۹ بجے شب تک ان صفحات کو قلمبند فرمایا۔ اس طرح
کے باوجود پاکستان کے مختلف گوشے تشنہ رہ گئے مگر چونکہ ۲۷ر دسمبر کو ۵ بجے ہوائی
جہاز کے ذریعہ حضرت موصوف صوبہ آسام کے دورے کے لئے تشریف لیجا رہے
تھے اور اس کے بعد مسلسل دوروں کا پروگرام تھا اور انتخابی مقاصد کے پیش نظر
زیادہ تاخیر مناسب نہیں تھی۔ لہذا اس ناتمام مضمون پر ہی اکتفا کیا گیا اور اسی کو
شائع کیا جا رہا ہے۔

بہرحال جن گوشوں پر روشنی پڑ سکی ہے وہ اپنی افادیت کے لحاظ سے مکمل
ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ مسلمان اس انتخاب کی نزاکت اور اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے
سنجیدگی کے ساتھ اس مضمون کا مطالعہ کریں گے اور ٹھنڈے دل سے غور فرما کر
جمعیۃ علماء ہند کے فیصلہ کی تائید فرمادینگے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر ایک صوبہ
مکمل طور پر آزاد ہو۔ جملہ اختیارات صوبہ کو حاصل ہوں اور اپنی آزاد مرضی سے تمام
صوبے ایک مرکز بنائیں۔ مرکز کو صرف وہی اختیارات دیئے جائیں جن پر تمام
صوبے متفق ہوں۔ باقی جملہ مصرحہ اور غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہوں۔
ملاحظہ ہو جمعیۃ علماء ہند کا فیصلہ۔

محمد میاں عفی عنہ

ضروری تنبیہ

متحدہ قومیت کی توضیح و تفسیر

اس رسالہ میں بھی دو ایک جگہ متحدہ قومیت کا لفظ آیا ہے۔ عجب نہیں جو بعض نگاہیں یقیناً اس مضمون کی تمام خوبیوں کو نظر انداز کر کے متحدہ قومیت کو غلط معنی پہنا لیں گی اور غلط پروپیگنڈہ کریں گی۔ لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم متحدہ قومیت کے متعلق خود حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی تصریحات بھی اس موقع پر درج کر دیں۔

حضرت موصوف اپنی مشہور تصنیف متحدہ قومیت اور اسلام میں تحریر فرماتے ہیں۔

قومیت متحدہ کے مجوزہ معنی | ہماری مراد قومیت متحدہ سے اس جگہ وہی قومیت متحدہ ہے جس کی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ میں ڈالی تھی یعنی ہندوستان کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں بحیثیت ہندوستانی اور متحد الوطن ہونے کے ایک قوم ہو جائیں اور اس پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد کو محروم کرتی ہوئی سب کو فنا کر رہی ہے جنگ کر کے اپنے حقوق حاصل کریں کوئی مذہب والا کسی دوسرے کے کسی مذہبی امر میں تعرض نہ کرے بلکہ ہندوستان میں بسنے والی تمام قومیں اپنے مذہبی اعتقادات، اخلاق، اعمال میں آزاد ہیں۔ اپنے مذہبی رسم و رواج، مذہبی اعمال و اخلاق پر آزادی کے ساتھ عمل پیرا رہیں اور جہاں تک انکا مذہب اجازت دیتا ہو ان کو امن قائم رکھتے ہوئے اپنی نشر و اشاعت بھی کرتے رہیں۔ اپنے اپنے پرسنل لا اور کلچر و تہذیب کو محفوظ رکھیں نہ کوئی اقلیت کسی دوسری اقلیت یا اکثریت سے ان امور میں دست و گریبان ہو اور نہ اکثریت اس کی جد و جہد کرے کہ اقلیتوں کو اپنے اندر ہضم کر لے۔ متحدہ قومیت مطبوعہ کمال پریس ص ۵۵

اس کے بعد جونپور کے سالانہ اجلاس کے خطبۂ صدارت میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر کی حیثیت سے حضرت مولانا نے تصریح فرما دی تھی کہ۔

"ہم باشندگان ہندوستان بحیثیت ہندوستانی ہونے کے ایک اشتراک رکھتے ہیں جو کہ اختلاف مذاہب اور اختلاف تہذیب کے ساتھ ہر حال میں باقی رہتا ہے جس طرح ہماری صورتوں کے اختلاف، ذاتوں اور صنعتوں کے تباین، رنگتوں اور قامتوں کے افتراقات سے ہماری مشترکہ انسانیت میں فرق نہیں آتا۔ اسی طرح ہمارے مذہبی اور تہذیبی اختلافات ہمارے وطنی اشتراک میں خلل انداز نہیں ہیں۔ ہم سب وطنی حیثیت سے ہندوستانی ہیں اور وطنی منافع کے حصول اور مضرات کے ازالہ کا فکر اور اس کے لئے جد و جہد مسلمانوں کا بھی اسی طرح فریضہ ہے جس طرح دوسری ملتوں اور غیر مسلم قوموں کا ـــــ اس کے لئے سب کو مل کر پوری طرح کوشش کرنی ازبس ضروری ہے۔ اگر آگ لگنے کے وقت گاؤں کے تمام باشندے مل کر آگ نہ بجھائیں گے سیلاب آنے کے وقت گاؤں کے تمام رہنے والے بند نہ باندھیں گے تو تمام گاؤں برباد ہو جائیگا۔ اور سب ہی کی زندگی وبال ہو جائیگی۔ اسی طرح ایک ملک کے باشندوں کا فرض ہے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا پارسی کہ ملک پر جب کوئی عام مصیبت پڑ جائے تو مشترکہ قوت سے اس کے دور کرنے کی جد و جہد کریں۔ اس اشتراک وطنی کے فرائض سب پر یکساں عاید ہوتے ہیں۔ مذاہب کے اختلاف سے اس میں کوئی رکاوٹ یا کمزوری نہیں ہوتی۔ ہر ایک اپنے مذہب پر پوری طرح قائم رہ کر اپنے فرائض کو انجام دے سکتا ہے۔ یہی اشتراک

میونسپل بورڈوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، کونسلوں، اور اسمبلیوں میں پا
جاتا ہے اور مختلف المذاہب ممبر فرائض شہر یا ضلع یا صوبہ یا ملک
انجام دیتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی معنی اس جگہ متحدہ قو
کے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے معانی جو لوگ سمجھ رہے ہیں وہ غلط
اور ناجائز ہیں۔ اس معنی کی بنا پر کانگریس نے فنڈامینٹل میں ہر مذہب
اور ہر تہذیب اور ہر زبان و رسم و رواج کے تحفظ کا التزام کیا ہے۔
دھوکہ نہ کھانا چاہئے اور نہ بیوقوفوں کی بات پر جانا چاہئے۔ اس کے
خلاف یہ جن لوگ 'قومیت متحدہ' کے معنی مُراد لیتے ہوں اور جو کانگ
افراد انفرادی طور پر کانگریس کے فنڈامینٹل کے مفہوم کے خلاف
معانی بیان کرتے ہوں۔ اُن سے یقیناً جمعیۃ العلماء بیزار ہے اور ترد
کرنے والی ہے۔" خطبۂ صدارت اجلاس جونپور

هذا وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين